از ارشادات مولانا شاہ ابرار الحق صاحب مدظلہٗ

اصلاحِ نفس

اور

اصلاحِ معاشرہ

فرمایا - اس عالم میں بہت سی چیزیں جن کو آدمی دیکھتا نہیں مگر ان کے وجود کا یقین رکھتا ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ چیزیں نظر نہیں آتیں مگر ان کے آثار اس طرح ہویدا و عیاں ہیں کہ آدمی ان کے وجود کو ماننے پر مضطر و مجبور ہے - مثلاً ہوا ہے کہ آدمی ہوا کو دیکھتا نہیں مگر اس کے اثرات دکھائی پڑتے ہیں - پتے ہلتے ہیں، ٹہنیاں ہلتی ہیں تو آدمی کہتا ہے کہ ہوا چل رہی ہے - نیز بدن کو لگتی ہے - جیسی ہوا ہوتی ہے گرم یا سرد اس کا احساس ہوتا ہے تو آدمی کہتا ہے کہ گرم ہوا چل رہی ہے یا ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے -

اسی طرح سردی کو آدمی دیکھتا نہیں مگر اس کا اثر آدمی کے بدن پر ہوتا ہے تو کمبل لحاف اوڑھتا ہے اسی طرح جب گرمی کا احساس ہوتا ہے تو پنکھا جھلنے لگتا ہے - کپڑے اتار دیتا ہے وغیرہ -

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یقیناً وجود ہے بلکہ جملہ مخلوقات کا وجود انہیں کے وجود کا پرتو و ظل ہے اور تمام اشیاء انہیں کے موجود کرنے سے موجود ہوئی ہیں - اور وہ اپنے آثار سے بالکل ہویدا اور ظاہر ہے تاہم ان کو کوئی یہاں ان آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا، اس لئے کہ یہ دار دنیا اس کا محل نہیں ہے - آخرت میں مومن کو ذاتِ عالی کا دیدار ہوگا - اور اس سے بڑھ کر کسی نعمت میں حظ و لطف نہ ہوگا - وجوہ یومئذٍ ناضرۃ الیٰ ربہا ناظرۃ -

آخرت میں مومن ان آنکھوں سے دیکھے گا مگر یہاں نہیں دیکھ سکتا بلکہ اس کے ذات و صفات کی کامل معرفت بھی نہیں ہو سکتی - اس لئے کہ جتنا ہم سمجھ سکتے ہیں اس کے وہ ورا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ وراء الوراء ثم وراء الوراء ہے، وہ ذات وہم و تصور سے بالاتر ہے - ہاں اس کے آثار البتہ ظاہر و باہر ہیں - جملہ مخلوقات اُن کے وجود پر دال ہے اس مضمون کو ایک اعرابی نے نہایت عمدہ طریق سے بیان کیا ہے - کہ

البعرة تدل على البعير و آثار القدم تدل على المسير فالسماء ذات الابراج والارض ذات الفجاج كيف لا تدل على اللطيف الخبير	مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے نشانات قدم چلنے والے پر دلالت کرتے ہیں تو یہ برجوں والا آسمان اور یہ کشادہ زمین اپنے صانع لطیف و خبیر پر کیوں نہ دلالت کریں گے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

خود انسان کے اندر بہت سی چیزیں مستور ہیں۔ اور ہم اس کے وجود کا یقین کرتے ہیں۔ مثلاً بھوک، پیاس، غم، خوشی وغیرہ یہ سب چیزیں اس کے اندر موجود رہتی ہیں۔ ہم ان کو دیکھتے تو نہیں مگر ان کے وجود کا یقین کرتے ہیں۔ پس جب ہم اپنے اندر کی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتے تو پھر اس ذات لطیف و خبیر کو کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ اور جیسے ان چیزوں کو نہ دیکھنے کے باوجود، ان کے آثار سے وجود کا یقین کرتے ہیں۔ اسی طرح آثار و آیات سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا یقین رکھتے ہیں۔

اسی طرح آدمی کے اندر اچھے برے اخلاق بھی مستور ہیں۔ مگر انہیں دیکھا نہیں جا سکتا۔ البتہ آثار سے پتہ چل جاتا ہے۔ کہ اس کے اندر یہ خلق موجود ہے۔ انہیں علامات و آثار کو دیکھ کر اس کی جڑ اور منشا کو آدمی سمجھ لیتا ہے چنانچہ مشائخ محققین اس معاملہ میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔

مثلاً کسی کے اندر تکبر کا مرض ہے یعنی اپنے کو بڑا سمجھنا، خواہ اپنے علم پر ہو، یا اپنے عمل پر، یا حسب نسب پر ہو یا عبادت و ریاضت پر یا مال و دولت پر نازاں و مغرور ہو۔ کوئی دوسرا آدمی نہیں سمجھ سکتا اس لئے کہ یہ قلب کا فعل ہے اور قلب کے فعل پر دوسرا آدمی کیسے مطلع ہو سکتا ہے۔ مگر جب اس کے آثار ظاہر ہوں گے تو ہر عاقل و بصیر دیکھ کر یہ کہے گا کہ یہ شخص متکبر ہے۔ مثلاً یہ کہ ترفع و بڑائی کی باتیں کرتا ہے یا اپنے اخوان و احباب پر تقدم اختیار کرتا ہے اور ہر مجلس میں مقام صدارت پر ہی بیٹھتا ہے۔ اپنے قول و عمل سے اس کی خواہش کا اظہار کرتا ہے تو ہر شخص اس کی باتوں کو سن کر اور اس کے افعال کو دیکھ کر یہ کہہ دے گا کہ یہ متکبر شخص ہے اور مرض کبر میں مبتلا ہے۔

اسی طرح غصہ کا مرض ہے کہ کسی سے طبیعت کے خلاف بات ہو گئی تو دل میں انتقامی جذبہ ابھرتا ہے ہیجانی کیفیت ہوتی ہے مگر یہ دل ہی دل میں رہے تو کچھ نہیں لیکن جب اس کا اثر باہر آ جائے، رگیں پھول جائیں، چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو جائیں اور زبان سے اناب شناب باتیں نکلنے لگیں، گالی گلوچ بکنے لگے تو ہر آدمی کہے گا کہ اسے غصہ کی بیماری ہے۔

اسی طرح کینہ و حسد بغض کی بیماریاں ہیں۔ یہ سب امراض قلب ہیں جو قلب میں مستور ہیں۔ یوں آدمی

ذرا غور کرے تو اپنے امراض کو سمجھ سکتا ہے مگر غفلت کی وجہ سے اس کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ البتہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو اس کی طرف متوجہ فرمادیتے ہیں۔ اور اس کو عیوبِ نفس اور رذائل کا بصیر بنادیتے ہیں۔ اور جب بصیرت حاصل ہوجاتی ہے تو اصلاح آسان ہوجاتی ہے۔ اور خودی و انانیت فنا ہوجاتی ہے۔ میرا ہی ایک شعر ہے

کھل گئی جب سے چشمِ بصیرت　　　اپنی نظروں سے خود گر گئے ہم

رذائل کا ہونا کچھ بعید نہیں۔ انسان خطا و نسیان سے تو مرکب ہی ہے۔ فضائل و رذائل کا مجموعہ ہے اور رذائل کے ہونے میں بھی بڑے مصالح ہیں ورنہ مجاہدہ کس چیز کا ہوتا۔ پھر تعجب کی بات کیا ہے۔ مگر یہ کہ آدمی اصلاح کرنے کا مکلف ہے لہٰذا اس کی سعی کرنی چاہئے۔ اس لئے کہ اگر یہ رذائل باقی رہے اور اسی میں آدمی مرا تو جہنم تک پہنچا دیں گے۔

مثلاً بدنظری کا مرض ہے تو باوجود خواہش کے نامشروع شئے کو دیکھنے سے روکے۔ ہزار جی چاہے مگر نظر نہ اٹھائے۔ مجاہدہ کرے کچھ دنوں کے بعد یہ مرض ختم ہوجائے گا۔ بدنظری ایسی بری بلا ہے کہ زنا تک پہنچا دیتی ہے اسی بنا پر حضور نے اسے زنا کہا گیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا تو فرمایا کہ کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ہماری مجلسوں میں آتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے زنا کا اثر ٹپکتا ہے تو اس نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہے؟ فرمایا نہیں، مگر مومن کو نورِ فراست دیا جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔

ایسے ہی تکبر کا مرض ہے۔ غصہ کا مرض، اس میں اپنی زبان کو روکے اور کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جو دوسرے کے لئے مضر ہو یعنی ان امراض کے آثار سے آدمی اگر اپنے کو بچائے گا تو جڑ اور منشا جو قلب و نفس میں مستور ہے وہ مضمحل ہوجائے گا۔

آج کل عجب حال ہے ان باتوں کی طرف ذرا التفات نہیں۔ بدگمانی، تجسس، غیبت عام ہے حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب سے منع فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ ۖ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ

اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچو۔ یقیناً بعض گمان گناہ ہوتا ہے اور تجسس نہ کرو اور نہ تم ایک دوسرے کی غیبت کرو۔

غور و فکر کیجئے کہ آج اس آیت پر کتنا عمل ہو رہا ہے۔ ہر مقام پر غیبت کا بازار گرم ہے اور اب تو یہ

مرض شغل مجلس ہو گیا ہے اور بدگمانی اور تجسس تو غیبت کے مقدمات ہیں ان کا شائع ہونا بھی مخفی نہیں ہے چنانچہ بدگمانی کا واقعہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔

ایک آدمی چلا جا رہا تھا ایک دوسرے آدمی نے اسے دیکھ کر سمجھا کہ ہمارا دوست جا رہا ہے بعض دفعہ ایسی غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ جب قریب گیا اور چہرہ دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ ہمارا دوست نہیں ہے تو اپنی اس غلط فہمی پر اس کی زبان سے لاحول ولا قوۃ نکل گیا اور کہا میں نے سمجھا تھا کہ ہمارا فلاں دوست ہے۔ بتائیے یہ کون سی خفگی کی بات تھی؟ مگر کیا ہوا سنئے۔ اس آدمی نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ تم نے مجھے شیطان سمجھ کر لاحول پڑھا اور بات تیز کرنے لگا۔ بہتیرا عذر کیا مگر ایک نہ مانا اور یہی کہتا رہا کہ تم نے مجھے شیطان سمجھا جبھی تو لاحول پڑھا جب بات بہت بڑھنے لگی تو وہ کسی طرح جان بچا کر بھاگا۔

دیکھئے یہ ہے بدگمانی کا کرشمہ۔ آج کل اوہام و خیالات پر احکام کا ترتب ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت نقصانات ہو رہے ہیں مگر اسے کم کرنے والے بہت کم ہیں۔ قلوب کو باہم جوڑنے والوں کی کمی ہو گئی ہے۔ حالاں کہ اس کے لئے جھوٹ بولنا بھی جائز ہے تاکہ تعلقات ٹھیک ہو جائیں اور باہمی نزاع و فساد ختم ہو جائے مگر اب زیادہ لوگ ایسے ہیں اِدھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر کر کے فسادات میں اضافہ کر دیتے ہیں اور دوزخ تک پھیلا دیتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ آپس کے نزاعات و فسادات ختم کریں، تعلقات کو توڑنے کی بجائے جوڑیں۔ ہمارا ہی ایک شعر ہے ؎

رحمت کا ابر بن کے جہاں بھر میں چھائیے ۔۔۔ عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھائیے

فساد کے ختم ہونے کی بہتر صورت یہ ہے کہ اپنے اندر تواضع پیدا کی جائے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ قلوب میں تواضع پیدا ہو جائے تو نزاعات و فسادات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ جب ہر آدمی دوسرے کو اپنے سے برتر سمجھے گا تو اگر اس سے کوئی ناگوار بات ہو جائے گی تو درگذر کرے گا اور اپنے کو اس سے زیادہ مستحق سمجھے گا۔ اور اس سے معافی مانگے گا۔ تو پھر فساد کیسے بڑھے گا بلکہ ہو گا ہی نہیں اور ہو گا تو حد کے اندر رہے گا۔

الحمد للہ! میرے اندر یہ بات ہے کہ اگر کسی کو مجھ سے اذیت پہنچ جائے بلکہ اذیت کا مجھے خیال ہو جائے کہ شاید میری اس بات سے تکلیف پہنچی ہو تو جب تک اس سے معافی مانگ نہیں لیتا چین نہیں ملتا۔ مجھے الحمد للہ معافی مانگنے میں ذرا عار نہیں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کے ساتھ تواضع کا معاملہ فرمایا ہے تو ہم تم کا اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا حال ہونا چاہئے۔ ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنی چاہئے۔ نبی پر ایمان و

محبت کا یہی تقاضا ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ تو یہ اتباع ہر شان و شعبہ میں ہوتا ہے۔ ظاہر میں، باطن میں، اخلاق میں، معاملات میں، اخلاق میں ہم آزاد نہیں ہیں کہ جو چاہیں کریں بلکہ اس میں اور زیادہ اتباع کا اہتمام کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت اسی غرض کے لئے ہوئی ہے۔

حدیث پاک میں ہے:۔ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ یعنی مکارم اخلاق کی تکمیل و تتمیم کے لئے میں بھیجا گیا ہوں۔ مگر آج کل اصلی اخلاق تو کیا رسمی اخلاق بھی نہیں۔ زبان سے بھی ہمدردی و غمخواری کی باتیں عنقا ہو گئی ہیں۔ اخلاق کی حقیقت تو کیا اس کی صورت بھی باقی نہ رہی۔ مثلاً یہ کہ کسی پر کوئی مصیبت پڑی ہو تو اس کے سامنے رنج و غم کا اظہار ہی کر دیں۔ مگر اب دن بدن یہ چیزیں بھی کم ہو رہی ہیں جس کی وجہ سے باہمی الفت و محبت بھی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اور جب دل میں کسی کا پاس و لحاظ نہ رہے گا۔ خوشی غمی میں کسی سے کوئی تعلق اور رشتہ نہ رہے گا تو ظاہر ہے فساد سارے عالم میں عام ہو جائے گا جو رو کے نہ رکے گا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں مشاہدہ ہے۔

ہاں تو میں نے پہلے یہ بیان کیا تھا کہ اگر تواضع کی صفت و عادت اپنے اندر پیدا کر لی جائے تو باہم اتفاق اتحاد کا ہو جانا آسان ہے اور یہ تواضع بھی قلب کا فعل ہے۔ ظاہر میں اس کے آثار جب نمودار ہوتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص متواضع ہے۔ مثلاً اپنے بھائیوں کے سامنے جھک کر معاملہ کرنا، نرم بات کرنا۔ عفو و درگذر کرنا وغیرہ۔

چنانچہ اکابر کے عفو و درگذر کے بہت سے واقعات کتابوں میں درج ہیں۔ ان کا مطالعہ کیا جائے۔ مثال کے طور پر عرض ہے کہ:۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بہت ہی خشوع و خضوع سے نماز پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ لوگ ان کو ریاکار کہنے لگے۔ ایک مرتبہ وہ سجدہ میں تھے کہ کچھ لوگوں نے ان کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈال دیا جس کی وجہ سے چہرہ بری طرح سے جل گیا مگر انہیں کچھ پتہ نہ چلا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو اس کا احساس ہوا پوچھا یہ کیا ہوا تو لوگوں نے بتایا کہ فلاں فلاں نے یہ ناشائستہ حرکت کی ہے۔ تو آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ حالاں کہ اس جلنے کی تکلیف عرصہ تک رہی۔

سبحان اللہ! یہ حال تھا ہمارے اکابر کا۔ نماز کا حق تھا اس کا کیسا حق ادا کیا۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی مناجات کر رہے تھے کہ سر اور چہرہ جلنے کا احساس تک نہ ہوا اور پھر مخلوق کے ساتھ کیسا معاملہ فرمایا کہ ان لوگوں کو معاف فرما دیا۔ یہ اس سے بھی بڑا کمال ہے۔

اسی طرح حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدان کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ اوپر سے کسی نے راکھ ڈال دی۔ اور سب راکھ حضرت شیخ کے سر پر پڑی، سب کپڑے خراب ہو گئے۔ تو فرمانے لگے الحمد للہ! مریدین نے پوچھا کہ آپ الحمد للہ کس بات پر فرما رہے ہیں۔ ان پر بددعا فرما دیجئے تو فرمایا کہ جو سر آگ برسائے جانے کا مستحق تھا اس سے راکھ پر اکتفا کر لیا جاتا تو شکر کا مقام نہیں ہے؟

سبحان اللہ! یہ تھا مقام تواضع ہمارے سلف کا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے طریق پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

حضرت شاہ غلام علی مجددی ؒ مولانا خالد رومی ؒ کو لکھتے ہیں کہ

"کسی سے انتقام لینا ہمارے آپ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ صبر و عفو صوفیہ کی ایک ادنیٰ عادت و خصلت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ یعنی برائی کی مدافعت عمدہ خصلت اور اچھائی کے ذریعہ کرو۔"

ہمارے اکابر نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دین و دنیا کی عزت و عافیت سے نوازا۔ اور دنیا اب تک ان کو یاد کرتی ہے۔ چنانچہ سیدنا نافع رحمۃ اللہ علیہ جو امت محمدیہ کے بہت بڑے آدمی سمجھے گئے ہیں اپنے وقت کے قطب تھے ان کا واقعہ ہے کہ

ایک بار ایک گروہ فقراء سے ملاقات ہوئی ان سب نے آپ کو گالیاں دیں اور کہا کہ

"اے اسود (کالے) اے دجال، اے حرام چیزوں کو حلال کرنے والے۔ اے قرآن تبدیل کرنے والے۔ اے ملحد۔ اے کتے" آپ نے اسی وقت اپنا سر کھول کر زمین بوسی کی۔ اور کہا اے میرے سردارو! مجھ سے راضی ہو جاؤ۔ مجھے تمہارے علم سے یہی امید ہے اور ان کی دست بوسی فرمائی۔ جب آپ نے اس خوشامد و لجاجت سے ان کو مجبور کر دیا تو ان سب نے کہا کہ ہم نے تم سے زیادہ کسی فقیر کو متحمل نہیں دیکھا کہ اتنا کچھ ہم نے کہہ سنایا مگر تم متغیر تک نہ ہوئے۔ آپ نے کہا یہ سب تمہاری برکت اور عنایت ہے۔ پھر اپنے احباب سے فرمایا کہ اس واقعہ سے ہم کو راحت ہوئی۔ انہوں نے اپنے جی کی بھڑاس ہم پر اتار دی۔ دوسروں کے مقابلہ میں ہم ہی اس کے زیادہ مناسب تھے۔ ممکن تھا کہ یہ باتیں وہ کسی اور سے کہتے اور وہ متحمل نہ ہوتا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیجئے۔ تو معلوم ہوگا کہ کتنے عفو و درگذر تواضع و انکسار کے واقعات ہیں۔ آج اگر ہم لوگوں کو وہ واقعات مستحضر ہوں تو بڑی عبرت و نصیحت ہو۔ چنانچہ کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک یہودی مہمان ہوا۔ آپ نے اسے کھلایا پلایا اور سونے کا انتظام فرمایا تو جس حجرے میں انتظام فرمایا تھا باہر سے اس کی کنڈی لگا دی۔ کہ صبح آ کر

کھول دیں گے۔ باہر سے کنڈی بند تھی اس لئے حجرے ہی میں بستر پر پاخانہ کر دیا۔ جب صبح ہوئی کنڈی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ نے کھولی تو یہودی فوراً کھسک گیا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حال دیکھا تو خود بنفس نفیس بستر اٹھایا اور دھونے لگے۔ صحابہ بڑھے اور اس خدمت کو انجام دینے کی درخواست کی۔ تو فرمایا، نہیں بھائی وہ میرا مہمان تھا اس لئے بستر میں ہی دھوؤں گا۔ بہت اصرار کے بعد فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہو کہ پانی ڈال دو۔ چنانچہ صحابہ پانی ڈال رہے تھے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بستر صاف فرما رہے تھے۔

ادھر جب مہمان کچھ دور گیا تو اپنی تلوار یاد آئی جس کا دستہ سونے کا تھا اب سوچنے لگا کہ کیا کرنا چاہئے۔ شرم و ندامت سے طبیعت رکتی تھی کہ ایسی حرکت کر کے آیا ہوں لوگ کیا کہیں گے، اور ادھر حب مال کا یہ تقاضا تھا کہ واپس چلنا چاہئے ورنہ بہت نقصان ہوگا۔ بہرحال یہی غالب آیا اور گیا تو دیکھا کہ پیغمبر دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اس کے پاخانہ کو دھو رہے ہیں۔ وہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور کلمہ پڑھ لیا۔

اب دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے سے بھی بستر دھلا سکتے تھے مگر خود دھویا۔ سبحان اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اخلاق تھے۔ اللہ اکبر۔

دوسرا واقعہ سنئے۔ کسی موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو چھڑی سے آہستہ سے کونچ دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ اعلان فرمایا کہ کسی کا کچھ حق میرے ذمے ہو تو یہاں ہی لے لے۔ اور اگر کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو یہاں ہی بدلہ لے لے۔ چنانچہ وہ صحابی تھے اور کہا کہ فلاں موقع پر جناب نے چھڑی سے میرے بدن میں کونچ دیا تھا۔ لہذا اس سے مجھے تکلیف پہنچی تھی اس کا بدلہ لوں گا۔ تو فرمایا کہ بخوشی تم کو اجازت ہے۔ صحابی نے کہا اس وقت میرے بدن پہ کرتا نہیں تھا اور آپ کرتا پہنے ہوئے ہیں۔ لہذا آپ اپنا کرتا اتار دیجئے تب بدلہ لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً کرتا اتار دیا اور فرمایا تمہیں اختیار ہے۔ صحابی نے بڑھ کر مہر نبوت کو چوما اور کہا میری کیا مجال ہے کہ بدلہ لوں۔ مگر میری مدت سے یہ خواہش تھی کہ مہر نبوت کو بوسہ دوں۔ اس لئے ایسا کیا۔

اب غور فرمائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیسی شان تھی کہ ایک ادنیٰ سے اس طرح معاملہ فرما رہے تھے۔ بیشک نبی کی یہی شان ہوتی ہے۔ ان کے خوف آخرت کا یہی حال ہوتا ہے۔ آپ یہی اسوۂ حسنہ چھوڑ کر ہم سے جدا ہوئے۔ ہم اس پر جب تک عمل پیرا ہوں گے عافیت میں رہیں گے۔ اور جب اسے چھوڑ دیں گے تو فساد و نزاع کے شکار ہو جائیں گے جیسا کہ آج مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو

عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ بحرمت سید النبی الکریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ اجمعین۔

اب تیسرا واقعہ سنئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابن سعنہ یہودی کا قرض دینا تھا۔ وہ تقاضا کے لئے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھے کی چادر اتار لی اور گریبان پکڑ کر سختی سے بولا۔ عبدالمطلب کی اولاد بڑی نادہند ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے جھڑکا اور سختی سے جواب دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبسم فرماتے رہے۔ اس کے بعد عمر فاروق سے فرمایا کہ عمر! تم کو مجھ سے اور اس سے دوسری طرح سے برتاؤ کرنا چاہیے تھا۔ تم مجھے کہتے کہ ادائیگی ہونی چاہیے اور اسے کہتے کہ تقاضا اچھے لفظوں میں کرنا چاہیے پھر زید کو مخاطب کرکے فرمایا کہ ابھی تو وعدہ میں تین دن باقی ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جاؤ اس کا قرض ادا کرو اور بیس صاع زیادہ دینا کیونکہ تم نے اسے جھڑکا ہے۔

سبحان اللہ! کیسی تعلیم تھی اپنے اصحاب کو۔ جس کی وجہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اخلاق کے اعلیٰ مراتب پر پہنچے اور ان کے نفوس کا کامل تزکیہ ہوا۔

ان واقعات میں ہمارے لئے بہت ہی عبرت و نصیحت ہے کہ ہمیں بھی ایسے مواقع پر ایسا ہی معاملہ کرنا چاہیے اور لوگوں کو اسی قسم کی تعلیم کرنی چاہیے۔ اگر آج ان باتوں پر عمل ہو تو پھر اصلاح عام ہو جائے اور دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے =

بقیہ ص ۳۳ **تحریک روشنیہ**

مذکورہ الہامات میں بایزید نے چند دعوے کئے ہیں۔

اولاً یہ کہ اس نے اپنے اور مریدوں کے گناہ اللہ تعالیٰ سے بخشوا لئے ہیں۔

ثانیاً یہ کہ اس نے اپنے اوپر اور اپنے مریدوں پر خدا کی رحمتیں اور برکتیں نازل کرائی ہیں۔

ثالثاً یہ کہ حدیث نبوی کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اپنے اوپر اور اپنے مریدوں پر رحمتیں اور برکتیں بھجوائی ہیں۔

رابعاً یہ کہ وہ قیامت کے دن اپنے لئے اور اپنے مریدوں کے لئے ایک امتیازی شان اور قابل رشک مقام کا مدعی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اور اپنے مریدوں کو "خوف خاتمہ" سے بالکل مامون کر دیا ہے اور اہل بہشت ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام سے امتیازی شان کے حامل ہونے کا دعویٰ الگ ہے۔ اس لئے حضرت اخوند درویزہ بابا رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں اسلامی عقائد و مسائل کی تبلیغ و توضیح کرتے ہوئے مسلمانوں کی بروقت صحیح رہنمائی کی۔ چنانچہ فرمایا

"گاہی پیران خود را خدا می گویند و بعضے پیغمبری گویند۔ و بعضے مامون از خوف خاتمہ و اہل بہشت یقین می دارند و بدیں معتقدات کافر می گردند" (تذکرۃ الابرار والاشرار ص ۱۴۸)

ترجمہ: کبھی اپنے پیروں کو خدا کہتے ہیں اور بعض ان کو خوف خاتمہ سے مامون اور اہل بہشت یقین کرتے ہیں اور ان معتقدات پر کافر ہو جاتے ہیں +